قرآن کی خصوصیات

آخری قسط

سید محمد علی ایازی

۶۔ قرآن کو سُر سے پڑھے جانے کی قابلیت

قرآن کی ایک خاصیت 'اس کی سریلی آواز اور میٹھے انداز میں پڑھے جانے کی قابلیت ہے۔ قرآن میں ایک اچھی سر میں ڈھلنے کی ایسی صلاحیت پائی جاتی ہے جس کو آواز کے ساتھ یا بغیر آواز کے ایک مطلوب صورت میں پڑھا جاسکتا ہے اور اس سلسلے میں ایک خاص جذابیت بھی پائی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کی قرائت بہت رائج اور عام ہو گئی ہے اور قرائت اور حفظ قرآن کی محفلیں اور مقابلے ایک اچھی روٹین کی صورت اپنا چکی ہیں 'اس حد تک کہ قرآن کا پڑھنا خود معاشرے کی زندگی میں ایک قسم کی باطنی لذت کا باعث بنتی ہے۔ وہ یوں کہ قرآن کے پڑھے جانے کے وقت انسان کے وجود پر لرزہ سا طاری ہوتا ہے تلاوت کا یہ عمل 'انسان میں خشوع اور خدا کی طرف توجہ کا باعث بنتا ہے اور یہ سب کچھ قرآن کے متن میں استعمال ہونے والے الفاظ 'ان کی خاص ترتیب اور جملوں کا تناسب اور اس میں موجود روحانیت کا احساس ہے۔ قرآنی محققین بڑے عرصے سے قرآن کی اس خصوصیت پر توجہ دیتے آئے ہیں اور اس کو قرآن کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ قرار دیتے رہے ہیں(۱)۔

انسان میں یہ تاثیر اسی صورت میں وجود میں آتی ہے جب وہ اس کو توجہ سے سنتا ہے۔ اگر کبھی انسان کو اس کے معانی کی سمجھ نہ بھی آئے لیکن اس کی معنوی تاثیر اور کشش انسان میں ایسی حالت پیدا کرتی ہے کہ لاشعوری طور پر انسان کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں اور انسان میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں قرآن کے الفاظ کی ترتیب اور تناسب کی وجہ سے ہوتی ہیں خصوصاً اگر اچھی آواز سے پڑھا جائے اور اس کے فراز و نشیب کا لحاظ رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کے مشرکین قرآن کے سننے سے بچنے کے لیے کانوں میں کپاس بھر لیتے تھے اور نئے افراد کو

قرآن کے سننے سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مؤمنوں کو بھی قرآن کی اس خاصیت کا علم تھا اس لئے وہ بھی قرآن کو اچھی آواز میں پڑھتے جس سے خود بھی محظوظ ہوتے اور ہر نئے آنے والے مشرک کو بھی اپنی طرف جذب کر لیتے تھے۔

۷۔ حفظ کرنے کی قابلیت

قرآن کی ایک اور خصوصیت اس کے حفظ ہو سکنے کی قابلیت ہے۔ ایک مقدس اور محترم کتاب ہونے کے علاوہ، قرآن ایک جذاب اور خوش لحن کتاب ہے۔ قرآنی آیات کے آخری حصے آیات کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا انداز اور الفاظ کی ترتیب سے ایک ایسا تناسب بناتا ہے کہ ہر پڑھنے والا اس کو حفظ کر سکتا ہے، خود قرآن بھی اس بات کا اعلان کرتا ہے:

" وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ [illegible] (قمر/۲۲)

ہم نے قرآن کو یاد آوری کے لئے آسان [illegible] لینے والا [illegible]

اور عین ممکن ہے کہ قرآن کا تحریف سے پاک ہونے پر اتنی تاکید کرنا اسی امر کی بدولت ہو جیسے ایک جگہ فرمایا:

" اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن" (حجر /۹)

"ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"

یعنی ہو سکتا ہے یہی قرآن کا حفظ کرنا ہی قرآن کی تحریف سے رکاوٹ کا باعث بنا ہو چھ ہزار سے زائد آیات پر مشتمل اس کتاب کو چھوٹے چھوٹے بچوں کا حفظ کرنا مزید تعجب کی بات ہے، کیونکہ بچوں کے حفظ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ نامانوس اور ایسے نہ ہوں جن کو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ بچے قرآن کو حفظ کر لیتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ قرآن کی آخری چھوٹی سورتوں سے حفظ کرنا شروع کرتے ہیں کیونکہ قرآن کی چھوٹی سورتوں کی یہ خاصیت ہے کہ بچے انہیں جلدی حفظ کر لیتے ہیں اور جب بھی چاہیں ان کے الفاظ کو اپنی زبان پر جاری کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیتوں کے آخری حصے، بالکل موزوں، سریلے اور دلنشین ہوتے ہیں۔ جیسے:

"قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس، مَلِكِ النَّاس، اِلٰهِ النَّاس، مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاس"...یا:

" قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَق، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقْ، وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَب..." الفاظ کی لے قافیہ دار شعروں کی طرح بالکل منظم اور بہت جذاب ہے اور حفظ کا عمل بھی انہیں سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور الفاظ بڑی

خوب صورتی اور لطف سے ادا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں ڈھیروں حافظین قرآن موجود ہیں اسطرح سے قرآن کریم کے ان گنت نسخے لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو گئے ہیں جنھیں کوئی چھو بھی نہیں سکتا کہ لوگوں کی زندگی اور نظروں سے قرآن کریم کے اوجھل ہو جانے کا خطرہ ہو۔

۸۔ قرآن کی جانب سے اپنا مقابل طلب کرنا

قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مقابلے کا اعلان کر رکھا ہے قرآن نے کئی بار لوگوں کو اپنی "مانند" پیش کرنے کی دعوت دی ہے۔ چونکہ قرآن کے مخالف اور منکر لوگ قرآن کو انسان کا لکھا ہوا مکتوب قرار دینے پر مصر تھے اور خدا سے اس کی نسبت کا انکار کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی دعوت قرآنی کو غلط قرار دیتے تھے لہٰذا قرآن ان کے جواب میں یوں مخاطب ہوتا کہ: اگر تم میں ہمت ہے تو قرآن کی "مانند" پیش کرو "فَاتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" اور یہ بات قرآن کریم نے مختلف شکلوں میں بیان کی ہے جنھیں آپ سورۃ طور/ ۲۴ و ۳۲۔ یونس/ ۳۸۔ ہود/ ۱۳ او ۱۴۔ بقرہ/ ۲۳ و ۲۴ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ پہلے پہل قرآن کہتا ہے: اگر تم لوگ قادر ہو تو اس قرآن جیسا پیش کرو" عَلیٰ ان یاتوا بمثل هذا القرآن" (الاسراء/ ۸۸) دوسرے مرحلے میں کہتا ہے "قل فاتوا بعشر سور مثله" اگر تمہارے لئے ممکن ہے تو اس کی طرح کی دس سورتیں ہی پیش کر دو (ہود/ ۱۳) اور مقابل طلبی کا آخری زینہ سورہ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے جب کہا گیا کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو قرآن کی ایک سورت ہی پیش کر دو (بقرہ/ ۲۴) اور سب پر واضح ہے کہ مقابل طلبی اس صورت میں معقول ہوتی ہے جب مخاطب فن بلاغت اور فصاحت میں اس درجے پر ہو کہ اس سے مقابل طلبی کی جاسکے، کیونکہ اگر ایک قوی ہیکل جوان کسی بوڑھے ضعیف آدمی سے مقابلے کا مطالبہ کرے تو لوگ اس جوان پر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ یہ کونسی شجاعت ہے اگر سچ کہتے ہو تو کسی اپنے جیسے سے مقابلہ کرو۔ قرآن بھی عرب کے بڑے بڑے ادبا اور بلغا کو مخاطب قرار دیتا ہے، ایسے لوگ جن کے کہے ہوئے شعر سالوں سال کعبے پر "معلقات" کے نام سے لٹکے رہے ان سے کہا: اگر تم لوگ کہتے ہو کہ یہ انسان کا کام ہے اور کوئی آسمانی صحیفہ نہیں اور اسے پیغمبر گرامی کا معجزہ قرار نہیں دیا جاسکتا تو آؤ اکٹھے ہو کر قرآن کا مقابلہ کرو اور اس "جیسا" قرآن پیش کرو۔ اس وقت یہ لوگ مایوس ہو کر پلٹتے تھے کہ اس "جیسا" قرآن پیش کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ عرب کے بعض ادیبوں نے کوشش کی کہ قرآن کی چھوٹی سورتوں کی "مانند" کوئی سورہ بنا کر پیش کی جائے لیکن وہ اس کے پیش کرنے میں ناکام رہے اور بعض نے تو کھل کر اعلان کر دیا کہ ہم اس کام سے عاجز ہیں (۲)۔

قرآن کی جانب سے مقابل طلبی دو باتوں کو مد نظر رکھ کر کی گئی:

ا۔ نزول قرآن کے عصر میں انسانوں کی ذہنی سطح اس مرحلے پر تھی کہ انہوں نے آنخضرت سے مشکل اور مادی کاموں کی بجائے فکری مسائل کے حل کی درخواست کی جبکہ اس سے پہلے لوگ، مردوں کو زندہ کرنے، عصا کے سانپ بننے، بیماروں کے ٹھیک کرنے اور اس قسم کی دوسری درخواستیں کرتے تھے۔

۲۔ فصاحت وبلاغت کے حوالے سے عرب اپنے عروج پر تھے اور شعر و نثر کو اس زمانے میں ایک خاص مقام دیا جاتا تھا۔

قرآن بھی اس قسم کے ماحول میں مقابل طلبی کرتا رہا۔

۹۔ غیب کی باتوں کا پتہ دینا۔

جب غیب کا نام آتا ہے دو معانی ذہن میں خطور کرتے ہیں ایک غیب کا عالم اور اس پر ایمان اور دوسرا غیب کے عالم کی خبر دینا۔ قرآن کی ایک قابل غور خصوصیت غیب کی خبریں دینا اور ایسے مسائل بیان کرنا ہے جو وحی سے متصل ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ عقل اور علم کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں، ملائکہ فرشتوں متعلق خبریں دیتی ہیں۔ اور انسان کے مستقبل کی خبر دیتی ہیں اور مسلمانوں سے اگلے جہاں اور گزشتہ کتابوں پر ایمان لانے کا کہتی ہیں: (بقرہ ر ۱۷۷، احقاف ر ۲۹، جن ر ۱، ۲)۔

قرآن عالم ہستی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک "عالم محسوس" یعنی یہ عالم جس کو ہم دیکھتے ہیں اور اس کا ادراک کرتے ہیں اور اس کی خصوصیات کو بیان کر سکتے ہیں اور دوسرا عالم وہ جو جسکا ادراک محسوسات کے ذریعے نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عالم، مادی وسائل سے کے ذریعے قابل ادراک نہیں۔

قرآن مومنین کو عالم غیب پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے (بقرہ ر ۳) لیکن یہ بات قرآن کی خصوصیت قرار نہیں دی جاسکتی، کیونکہ دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ملائکہ جن اور عالم آخرت پر ایمان کا کہا گیا ہے۔

وہ چیز جو قرآن کی خصوصیت قرار دی جاسکتی ہے ایسے مسائل کی خبر دینا ہے جو قرآن کے اعجاز کی علامت بن سکتے ہیں، مثال کے طور پر قرآن نے آسمان وزمین کی خلقت، آدم و ابلیس کی داستان، گزشتہ انبیاء اور اقوام کی خبریں دی ہیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ آنخضرتؐ کسی مکتب میں پڑھنے گئے نہ کسی استاد سے ملاقات رہی اور نہ کسی سے کوئی بات سیکھی (ہود ر ۴۹)۔

قرآن اس بارے میں کہتا ہے: تم اس وقت موجود نہ تھے کہ جانتے یہ حوادث کیسے واقع ہوئے (آل عمران ر ۴۴)

مزید یہ کہ قرآن بعض مستقبل کے حوادث کی خبر بھی دیتا ہے جیسے ایران کی روم کے ہاتھوں شکست کھانا (روم ر ۴۔۱) یا فتح مکہ (فتح ر ۲۷) اور دوسرے کئی ایسے مسائل جن میں مسلمانوں کی نصرت اور فتح کی خوش خبری

دی گئی ہے۔ اسی طرح تحریف اور حوادث زمانہ سے قرآن کے محفوظ رہنے کی خبر (حجر/۹) جبکہ اس وقت کے ظاہری حالات کے مطابق قرآن کی یہ پیش گوئیاں غلط معلوم ہوتی تھیں۔

اور اس قسم کی خبریں عام کتابوں میں نہیں مل سکتیں اور یہ بھی قرآن کے معجزہ ہونے کی ایک دلیل اور قرآن کی ایک خاصیت ہے۔

۱۰۔ قرآن کا عقل اور سائنس سے متضاد نہ ہونا

آسمانی کتابوں پر ایمان لانے والوں کو اس بات کی فکر بھی ہوتی ہے کہ کہیں ان کی دینی کتابوں میں مذکورہ باتیں عقل اور سائنس کی جدید ایجادات یا نئے عالمی تمدن کے متضاد نہ ہوں وہ اس طرح سے کہ ان کتابوں میں عالم اور خلقت کے بارے میں بیان کی گئی باتیں سائنس کی تحقیقات سے میل نہ کھاتی ہوں۔ یہ مسئلہ یہودیوں اور مسیحیوں میں اپنی کتابوں (تورات و انجیل) کی نسبت پایا جاتا ہے اور ان کے جدید علماء نے ان مسائل کو حل کرنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ آج سے دو ہزار سال پہلے لکھی جانے والی کتاب میں خواہ ناخواہ عالم اور اس میں موجود دیگر مخلوقات جیسے سورج، چاند، ستارے، زمین کی حرکت اور زمین کی پیدائش کی کیفیت وغیرہ کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں اس زمانے کی معلومات کے مطابق تھیں لیکن وہ باتیں کیونکر آج کی یکسر مختلف معلومات سے متناسب ہو سکتی ہیں اور یہ مسئلہ دینی احکام اور مسائل میں اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ انسان اتنی صدیاں طے کرنے کے بعد بہت بدل چکا ہے، اس کی ضروریات بدل چکی ہیں، معاشرتی حالات، زندگی کا ڈھنگ اور معاشرے کے بندوبست کا طریقہ کار بھی تبدیل ہو چکا ہے، اس لیے دینی تعلیمات کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان موجودہ حالات سے متضاد نہ ہوں۔

خاص طور پر ان کتابوں میں مذکورہ باتیں جو تاریخی اور جغرافیائی حوالے سے یا خلقت کے بیان میں آئی ہیں اور جہان کے بارے میں آج کے نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں۔ پرانے زمانے میں زمین، افلاک یا منظومہ شمسی کی حرکت کو کچھ اور طرح سے بیان کیا جاتا تھا اور آج کسی اور طریقے سے بیان کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تورات اور انجیل میں مذکورہ باتیں آج کی سائنسی معلومات سے متضاد نظر آنے لگیں۔

تو کیا قرآن میں بھی ایسا ہے؟ کیا قرآن میں کوئی ایسی آیت مل سکتی ہے جو عقل سائنس اور انسانی حقوق کے خلاف ہو؟۔

چونکہ قرآن سارے کا سارا وحی ہے اور وہی چیز ثبت وضبط کی گئی جو خدا نے آنحضرتؐ پر نازل کی تھی، اس لیے یہاں صورت حال کچھ اور ہے دوسری آسمانی کتابوں کے بارے میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ وہی خدا کے الفاظ ہیں جو لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، بلکہ یہاں ان انبیاءؑ کے صحابہ اور کاتبوں نے ان کی رسالت کے

زمانے کے بہت بعد، اپنی معنوی یاداشتوں کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بیانوں کے ساتھ ملا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا، خصوصاً تورات تو اپنی اصلی زبان سے دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوتے وقت اور بھی کئی مشکلات اور تبدیلیوں کا شکار رہی۔

لیکن قرآن میں وہی الفاظ جو وحی کے تھے انہی حروف اور کلموں کے ساتھ اور اس ترتیب سے جو اوپر سے ہی نازل کی گئی تھی بہت دھیان اور توجہ کے ساتھ ثبت کئے گئے اور پھر یہ مکتوب نسل در نسل بڑی حفاظت اور نگہداری کے ساتھ آگے چلا یہاں تک کہ ہم تک پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے معاشرتی، انسانی، تاریخی اور سائنسی باتوں کو بڑا دقیق اور حساب کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن کے بارے میں گزشتہ صدیوں میں مفسروں نے ہر عصر میں اپنے عصری تقاضوں کے حساب سے تفسیر بیان کی ہے، لیکن قرآن کی باتیں کبھی عقل اور سائنس سے متضاد ثابت نہ ہوئیں بلکہ قرآن میں بعض ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جن کو سائنس نے بہت دیر بعد جا کر دریافت کیا۔ یہ موضوعات جیسے انسان کی آزادی، معاشرتی حقوق عورت کے حقوق، نسل پرستی کی مخالفت انسان کی انسانیت کی وقعت، اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق، خاندانی زندگی کی اہمیت انسان کی مادی اور شہوانی ضروریات کو پورا کرنا اور دوسرے موضوعات، قرآن کی نظر میں بڑے اہم ہیں جس سے قرآن کے طرز فکر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

انسان اور ہستی کی خلقت جیسے مسائل کو پیش کرنا جو اگرچہ سائنسی مسائل قرار نہیں دیئے جا سکتے لیکن اس طریقے سے بیان ہوتے ہیں کہ آج کی جدید معلومات سے متضاد نہیں قرآن کریم کی خصوصیات میں سے ہے۔

اگر ہم یہ بات نہ کہیں کہ قرآن میں آج کے جدید کشفیات اور ایجادات کے بارے میں اشارے پائے جاتے ہیں اور قرآن نے عصر حاضر کے علمی اصولوں کو پہلے ہی بیان کر دیا ہے یعنی کوئی ایسا علمی اصول نہیں جو قرآن میں ذکر نہ ہوا ہو، تو ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ایسی باتیں جو سائنس کے خلاف ہوں تورات و انجیل میں تو پائی جاتی ہیں لیکن قرآن کریم میں اس قسم کی کوئی بات نہیں مل سکتی۔

کیونکہ پہلے بھی ہم اشارہ کر چکے کہ قرآن کے مشمولات صرف اور صرف پیامبر پر آنے والی وحی پر ہی مبنی ہے اور اللہ تو خود قرآن کے بیان کے مطابق تمام مخلوقات سے آگاہ ہے (فرقان / ٦) اور اگر خدا بعض علمی مسائل میں کوئی بات کرے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ نظام خلقت سے متضاد ہو۔

اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں قرآن میں بیان کئے جانے والے مسائل آنحضرتؐ کی بعثت کے زمانے کی علمی سطح سے کہیں بڑھ کر تھے اور کسی عادی اور معمولی آدمی کے لئے ممکن نہیں تھا کہ ان کو بیان کر تا۔ مثال کے طور پر قرآن میں آسمان کے بارے میں فرمایا ہے: "خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا" (لقمان / ١٠) یعنی آسمانوں کو کسی

دکھائی دینے والے ستون کے بغیر خلق کیا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ ایسی طاقت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہے اور وہ دکھائی بھی نہیں دیتی اور بعد میں یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ طاقت وہی جاذبے کی طاقت ہے نیز قرآن میں تمام اشیاء میں زوجیت (دو دو ہونے) کے قانون کی طرف اشارہ ہے "ومن کل شی خلقنا الزوجین لعلکم تذکرون"(الذاریات/ ۴۹) خداوند نے ہر شے کو جوڑی کی صورت میں پیدا کیا تاکہ تم لوگ سمجھ جاؤ۔

یا فرمایا:

" وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيلَ وَالنَّهارَ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ"(انبیاء / ۳۳).

خدا نے ہی رات، دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔

اس زمانے میں ان کے تیرنے کا خاص معنی معلوم نہ تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ تمام سیارے ایک خاص مدار میں حرکت کر رہے ہیں جن کے ادھر ادھر ہونے کا امکان ہی نہیں۔

اگر ہم ان باتوں کو آج کے انسان کی جدید کشفیات کے مطابق قرار نہ بھی دیں تو کم از کم قرآن کے کسی مسئلے کو جیسے آسمان و زمین کی خلقت، انسان، جن اور ملائکہ کی خلقت، بادلوں کی حرکت، بارش کا آنا، سورج، چاند، ستاروں اور شہاب کا چلنا، آسمان پر جانا، جنین کے مختلف مراحل، سبزیوں اور بوٹیوں کے بارے میں قرآن کے کسی بیان کو آج کی جدید سائنسی تحقیقات سے متضاد نہیں پاتے۔

مثال کے طور پر قرآن کی بعض آیات سے ممکن ہے "ثابت انواع" کا نظریہ نکلتا ہو لیکن ساتھ ہی دوسری آیات بھی ہیں جن میں "تحول انواع" کا نظریہ نکلتا ہے، وہ اس طرح کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن نے انسان کی خلقت کے متحول ہونے یا حضرت آدمؑ سے پہلے انسانی وجود کی نفی کی ہو یا یہ کہ ۶ ہزار سال سے پہلے انسانی وجود کی نفی کی ہو۔

انسانی پیدائش کا مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے جو اس کے ایک دم پیدا ہونے یا رفتہ رفتہ انسانی صورت اختیار کرنے کے ساتھ جوڑ جوڑا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ دونوں نظریوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کی جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نظریے کے قائل علماء نے آیات کے کسی حصے کو اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے سند قرار دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ قرآن نے فصاحت کے ساتھ دوسرے نظریے کی نفی نہیں کی ہے، اس طرح قرآن نے کسی سائنسی نظریے کی نفی نہیں کی۔

اسی طرح، انسانی حقوق اور انسان کی آزادی کے بارے میں بھی قرآن نے کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ سورہ بقرہ / ۲۵۶ اور یونس ۹۹ میں عقیدے کی آزادی کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور دوسری کئی آیات میں انسانی

حقوق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

۱۱۔ قرآن کی تلاوت

مسلمانوں کی زندگی کا ایک قابل توجہ پہلو ان کی جانب سے قرآن کی تلاوت کو اہمیت دینا ہے اور اس اہتمام کی دو وجوہات ہیں :

۱۔ قرآن کی آیات اور احادیث میں تلاوت قرآن کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے جیسے :

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ.... لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُم مِنْ فَضْلِهِ" (فاطر / ۲۹، ۳۰)

وہ لوگ جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔۔۔وہ اپنا پورا اجر وصول کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی فیاضی سے مزید بھی عطا کرے گا۔

اور جیسے :

"وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً" (مزمل / ۴)

اور قرآن کی ترتیل اور منظم طریقے سے تلاوت کرو۔

آنحضرت خود تلاوت قرآن کے بہت شوقین تھے اور سخت ترین حالات میں بھی تلاوت قرآن کو ترک نہیں فرماتے اور دوسروں کو بھی قرآن کی تلاوت کی ترغیب دیتے تھے۔(۳)

۲۔ قرآن کا بیان اور اسلوب کچھ اس طرح ہے جس سے تلاوت میں جاذبہ اور کشش پیدا ہوتی ہے اسی لیے تلاوت قرآن کی طرف اتنی زیادہ توجہ کو قرآن کی خصوصیات میں شمار کیا جاسکتا ہے اور یہ تلاوت اگر توجہ اور حضور قلب کے ساتھ انجام پائے تو انسان میں ایک معنوی تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔

عوف بن مالک کا کہنا ہے : جب کبھی نبی کریمؐ نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کرتے اور رحمت کی آیت پر پہنچتے تو خدا سے رحمت کے طلب گار ہوتے اور عذاب کی آیات آنے پر خدا سے پناہ مانگتے اور روتے تھے اور کبھی تو ایک آیت کو نماز میں کئی کئی بار تکرار فرماتے تھے۔(۴)

اور یہی روش آنحضرتؐ کے صحابہؓ میں بھی جاری رہی وہ قرآن کی تلاوت ہر روز کرتے تھے، یہاں تک کہ تلاوت قرآن کریم مسلمانوں میں ایک پکی رسم کی صورت اختیار کر گئی۔ اللہ کے نیک بندے اپنے دن کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے کرتے ہیں اور رات کو قرآن کی تلاوت کے بعد اپنے بستر کی طرف جاتے ہیں البتہ اب یہ روش اتنی روٹین بن گئی ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے لوگ جو ایک عمر قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اس کے معانی کی طرف توجہ نہیں کرتے البتہ اس کی وجہ تلاوت قرآن کا ثواب اور قرآن کا معنوی جاذبہ اور دلکشی ہو سکتی ہے کہ لوگ

اس طرح قرآن کی ظاہری تلاوت پر اکتفا کر لیتے ہیں اور اس کے معانی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ تلاوت بے کار اور بے اثر ہے کیونکہ خشوع اور خضوع کی یہ حالت ہر صورت میں انسان کی روح اور دل پر اثر کرتی ہے جیسے نماز اور دعا کے وقت یا حتی ایسی آوازیں سننے سے جو معنوی حیثیت رکھتی ہیں انسان میں خشوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معنوی فضا بھی انسان کے دل پر اثر کرتی ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ صرف اس مِقدار اثر پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے معانی اور اس کے پیغام پر بھی توجہ کرنی چاہیے۔

یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ قرآن کا حفظ کرنا خصوصاً اس کی لمبی سورتیں جیسے سورت بقرہ جس کی ۲۵۶ آیات ہیں کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ لوگ ان پڑھ بھی تھے ان کے لیے الفاظ کو صحیح طریقے سے پڑھنا اور انہیں تکرار کرنا اور پھر حفظ کر لینا بہت مشکل کام تھا۔ کیونکہ صحیح طریقہ سے ادا کرنا کسی کتاب سے متن اور عبارت پڑھنے پر موقوف ہے لیکن صدر اسلام کے مسلمانوں نے یہ مشکل کام بھی انجام دیا۔

یہی وجہ تھی کہ قرآن نے خود اس مسئلے پر توجہ دی اور اس مشکل کے بارے میں آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا:

" فَاِنَّمَا یَسَّرْنَا بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُم یَتَذَكَّرُون "(دخان/ ۵۸)

"بے شک ہم نے قرآن کو تیری زبان کے لیے آسان کر دیا تا کہ مسلمان اس سے کچھ سیکھ لیں۔

ایک دوسری جگہ فرماتا ہے:

" فَاِنَّمَا یَسَّرْنَا بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِین " (مریم/ ۲۷)

بے شک ہم نے قرآن کو تیری زبان سے آسان کر دیا تا کہ تو اس کے ذریعے متقیوں کو بشارت دے۔

اور دیگر آیات بھی اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں جیسے (سورت قمر/ ۲۲و۴۰) وغیرہ۔

حواشی

۱۔ تہرانی۔ میرزا مہدی، مبانی موسیقی، قرائت قرآن/ ۳۳، (۲)۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن/ ۳۱۳۔ ابو زہرہ المعجزۃ الکبری/ ۵۹، ۶۱۔ العمری، المباحث البلاغیہ/ ۱۸ (۳)۔ تلاوتِ قرآن یا بعض خاص سورتوں کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں بے حساب روایات موجود ہیں جن کو عام طور پر مفسرین ہر صورت کے آغاز میں ذکر کرتے ہیں، بلکہ قرآن کے فضائل اور سورتوں کے فضائل پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔

۴۔ رامیار، تاریخ قرآن/ ۲۲۳۔